(۹)

(فرمودہ ۱۸۔ جون ۱۹۲۰ء بمقام باغ حضرت مسیح موعودؑ۔ قادیان)

آج کا دن اسلامی اصطلاح میں عید کا دن کہلاتا ہے۔ یہ دن سال میں دو دفعہ دو تقریبوں پر مسلمانوں کے لئے شریعت کے احکام کے مطابق آتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں فطرت کا تقاضا ہے کہ سال میں ایک آدھ ایسا موقع ہونا چاہئے کہ ایک ہی خیال کے لوگ ایک جگہ جمع ہو کر خوشی کا اظہار کریں اور ملیں جلیں۔ یہ نظارہ تمام دنیا میں نظر آتا ہے کسی ملک میں جائیں' کسی مذہب کے لوگوں میں جائیں عیدیں نظر آتی ہیں۔ ہندوؤں میں اس کا رواج ہے۔[1] یہود میں یہ پائی جاتی ہیں۔[2] عیسائیوں میں عید منائی جاتی ہے۔[3] زرتشتیوں میں بطور تہوار ہے۔[4] حتّٰی کہ اگر ان متمدن قوموں کو چھوڑ کر وحشیوں کو دیکھیں تو ان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ افریقہ کے ننگے پھرنے والے۔[5] فجی کے انسان خور باشندے سال میں تہوار مناتے ہیں۔[6]

پس تمام سال میں ایک آدھ موقع ہر ایک قوم میں ایسا پایا جاتا ہے جس میں خوشی منائی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ خوشی منائے اور عام آرام کا کوئی دن تجویز کرے۔ متمدن دنیا کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ پرانے تہواروں کی قدر بوجہ مذہب سے دور ہونے کے نہیں کرتی لیکن تماشوں وغیرہ کے طرح طرح کے جلسے ان اقوام نے بھی نکالے ہیں۔ جس سے پتہ لگتا ہے کہ ان کے دل میں بھی وہی خواہش ہے جو دوسروں میں پائی جاتی ہے۔ لیکن اسلام نے عید کا تقرر صرف اسی خواہش کے پورا کرنے کے لئے نہیں کیا بلکہ اس میں اور بھی حکمتیں ہیں۔ عید کے لفظ کے ہی جو معنی ہیں وہ بھی اپنے اندر حکمت رکھتے ہیں۔ عید کہتے ہیں بار بار لَوٹ کر آنے کو۔ پس اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اس دن اور تقریب کے لئے گویا خواہش کرتا ہے کہ یہ مجھ پر بار بار آئے۔[7] اور یہ قدرتی بات ہے کہ انسان کسی رنج اور تکلیف کی گھڑی کے متعلق نہیں چاہتا کہ بار بار آئے۔ کسی کے گھر میں بیماری آجائے یا کوئی موت ہو جائے تو وہ خواہش نہیں کرے گا کہ یہ دن بار بار آئیں لیکن بچہ پیدا ہو' شادی ہو' تو وہ بھی اور دوسرے بھی کہتے ہیں کہ یہ دن پھر بھی آئیں۔ کسی شخص کو عزت و رُتبہ ملتا ہے اور

ترقیات ملتی ہیں تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ یہ دن بار بار آئیں۔

تو لفظ عید میں مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ ان کو اس بات کی خواہش ہو کہ یہ دن ان کیلئے بار بار آئے مگر بہت لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے۔ ان کی عید عید نہیں بلکہ روزِ ماتم ہوتی ہے۔ وہ ظاہر میں اچھے کپڑے پہنتے ہیں خوش نظر آتے ہیں لیکن ان کی اندرونی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ کہہ رہے ہوتے ہیں خدا کرے پھر یہ دن نہ آئیں۔ یہ عید حقیقی عید نہیں۔ حقیقی عید وہی ہوتی ہے جس کے لئے زبان کے ساتھ دل سے بھی آواز نکلے کہ یہ دن بار بار آئیں اور وہ عید مومن کی عید ہوتی ہے کیونکہ وہ ایک نیکی اور خدا کی رضا حاصل کرنے کا کام کرتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے اور وہ کوشش کرتا ہے کہ یہ دن پھر آئیں۔ پس اگر کوئی عید کا مستحق ہے تو وہ صرف مومن ہے باقی جو لوگ عید کرتے ہیں وہ صرف تفاول کے طور پر کرتے ہیں جیسا کہ جب کسی کے بچہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کا نام شیر بہادر رکھتا ہے حالانکہ اُس وقت وہ بچہ نہ شیر ہوتا ہے نہ بہادر۔ ہاں اس بچہ کے باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ یہ بچہ شیر بہادر ہو جائے۔ تو چونکہ دنیا چاہتی ہے کہ اس کو عید ملے کیونکہ یہ ایک فطرتی تقاضا ہے اور اصلی طور پر ان کو عید میسّر نہیں ہوتی اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ بناوٹی طور پر ہی عید منالیں۔ اور اصل کی بجائے نقل سے دل کو تسلی دینا عام طور پر پایا جاتا ہے۔ ہنود میں کم لوگ ہیں جو کھلے طور پر گوشت کھاتے ہیں مگر اکثر اس طرح کرتے ہیں کہ گوشت کی بڑیاں بنالیتے ہیں۔ اگرچہ وہ بڑیاں کہلاتی ہیں لیکن چونکہ ان میں گوشت بھی ہوتا ہے اس لئے اس طرح وہ اپنے اس طبعی تقاضا کو پورا کرتے ہیں۔ اسی طرح حقیقی عید جو کہ خدا کا قُرب حاصل ہونے سے ہوتی ہے جس کو یہ میسر نہیں وہ بناوٹی طور پر اس خوشی کو جو خدا کے ملنے سے ہونی چاہئے ایک دن عید منا کر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے سچی عید اسی کی ہوتی ہے جو مومن ہوتا ہے اور جس کے دل میں ایمان نہیں ہوتا اس کی عید نہیں ہوتی نہ ایک سال میں نہ عمر میں۔

ہم صحابہؓ کو دیکھتے ہیں ان کے قلوب ایمان سے پُر تھے وہ کیسی خوشی محسوس کرتے تھے اور خوشی اور عید اسی کی ہے جس کا دل خوشی میں ہو۔ وہ لوگ وہ تھے جو موت کے منہ میں عید کو دیکھتے تھے کیونکہ وہ مومن نہیں جو اپنے مولا کی ملاقات سے ڈرے۔ شام میں جب عیسائیوں سے جنگ ہو رہی تھی عیسائیوں کی طرف سے ایک شخص نکلا اور اس نے مبارز طلب کیا۔ مسلمانوں کی طرف سے یکے بعد دیگرے کئی شخص نکلے اور شہید ہو گئے۔ اس سے عیسائیوں کا

جوش دم بہ دم بڑھتا گیا اور عیسائیوں میں خوشی کے نعرے شروع ہو گئے۔ اس وقت کا یہ رواج تھا کہ پہلے دونوں طرف سے ایک ایک شخص مقابلہ کے لئے نکلا کرتا تھا۔ جب مسلمانوں کے کئی آدمی شہید ہو گئے تو مسلمانوں نے بھی اس بات کو محسوس کیا۔ اس وقت مسلمانوں کی طرف سے ضرار بن ازور نکلے جو مسلمانوں میں ایک بڑے جری سپاہی اور اعلیٰ درجہ کے افسر تھے وہ اس کے مقابلہ میں گئے لیکن فوراً واپس چلے آئے اور اپنے خیمہ میں داخل ہو گئے۔ چونکہ وہ رسول اللہ کے صحابی اور ایسے اعلیٰ درجہ کے بہادر سپاہی تھے اس لئے ان کے بھاگنے سے مسلمانوں میں تحیّر اور عیسائیوں میں خوشی پھیل گئی۔ ایک صحابی ان کے پیچھے آئے اور ان سے پوچھا یہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں موت کے ڈر سے بھاگا ہوں؟ نہیں یہ بات نہیں بلکہ میری عادت ہے کہ میں ہمیشہ بے زرہ لڑائی پر جایا کرتا ہوں لیکن آج اتفاق سے میں نے زرہ پہنی ہوئی تھی۔ اب اس عیسائی نے جو اتنے مسلمانوں کو شہید کیا اور میں اس کے مقابلہ میں گیا تو مجھے خیال آیا کہ اگر میں آج اس کے ہاتھ سے اس حال میں مارا گیا کہ میرے جسم پر زرہ ہوئی تو میں خدا تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا اور کیا جواب دوں گا کہ میں نے تیرے حضور میں حاضر ہونے سے بچنے کے لئے زرہ پہنی تھی۔ پس میں نے خیال کیا کہ یہ تو منافقت کی موت ہوگی اس لئے میں بھاگا کہ زرہ اتار دوں۔ اب میں نے زرہ اُتار دی ہے اور لڑنے جاتا ہوں۔ چنانچہ اس طرح وہ اس کے مقابلہ میں گئے اور اس کو مار لیا۔[۸]

تو مومن تو وہ ہے جو خدا کی راہ میں موت کو عید سمجھتا ہے۔ نادان ہے جو ظاہری خوشی پر خوش ہے مومن کو موت بھی ناخوش نہیں کر سکتی۔ مومن مرتا ہے تو اس کی عید ہوتی ہے، جیتا ہے تو اس کی عید ہوتی ہے، اس کی رات بھی اس کے لئے عید کا دن ہے اور اس کا دن بھی عید کا دن ہے کیونکہ حقیقی عید اللہ سے تعلق ہوتا ہے اور جس کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہو جاتا ہے اس کی ہر ساعت خوشی کی ساعت ہوتی ہے اور جب تک یہ نہ ہو منافقت کی عید ہے۔ نجاست پر اگر چاندی کے ورق بھی چڑھا دیئے جائیں تو اس کی بدبو اور اس کی خرابی میں فرق نہیں آ سکتا۔ ورق لگانے سے اس میں لطافت و شیرینی نہیں پیدا ہو سکتی۔ پس محض ظاہری درستگی اصلی خوبیاں پیدا نہیں کر سکتی اس کے لئے ضروری ہے کہ اندرونہ پاک و صاف اور خوبصورت ہو۔ پس جس دل کا اللہ تعالیٰ سے تعلق نہیں وہ رنج میں ہے اور جو رنج میں ہے اس کی کوئی عید نہیں۔

دیکھو قرآن کی ابتداء اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ سے کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جو سب جہان کا رب ہے ہمارا اس کے ساتھ تعلق ہے۔ اگر کوئی غم ہے تو اس کے لئے۔ اگر کوئی راحت ہے تو اس کے لئے اس لئے ہمارے لئے عید ہی عید ہے حتّٰی کہ اگر کوئی مرتا بھی ہے تو ہم ناخوش نہیں اس لئے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف گیا اور ہمیں بھی خدا ہی کے پاس جانا ہے اور اس میں بھی ہمارے لئے عید ہے۔

ہم نے حضرت صاحب کی زندگی کو دیکھا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی کو پڑھا ہے اور اولیائے امت کے حالات بھی پڑھے ہیں وہ مشکل سے مشکل اور آفت سے آفت میں یقین رکھتے ہیں کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ ؎۱ رسول کریم ﷺ کا ایک واقعہ تاریخوں میں مذکور ہے۔ ایک دفعہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگل میں سوئے ہوئے تھے آپؐ کی تلوار درخت سے لٹک رہی تھی کہ ایک بدوی آیا اور اس نے تلوار درخت سے اُتار کر بے نیام کر لی اور آپؐ کے سر پر کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ تلوار تیرے قبضہ میں نہیں ساتھی تیرے پاس نہیں بتا تجھ کو اب کون بچا سکتا؟ رسول کریم ﷺ نے نہایت اطمینان سے فرمایا مجھ کو اللہ بچا سکتا ہے۔ اس شخص کی نظر ظاہر پر تھی مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی نظر باطن پر تھی اس لئے آپؐ کو کوئی خوف و خطر نہ تھا۔ آپؐ نے سادگی اور اطمینان سے کہہ دیا مجھے خدا بچا سکتا ہے۔ اس شخص پر اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ وہ کانپ گیا تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ اس وقت آپؐ نے تلوار اٹھا لی اور کہا اب تو بتا تجھ کو کون بچا سکتا ہے؟ اس کو رسول کریم ﷺ کا جواب سن کر بھی اس کی نقل کرنے کی جرأت نہ ہوئی کیونکہ اس میں وہ بصیرت کہاں تھی اس لئے اس نے کہا کہ آپؐ ہی رحم کریں۔ ؎۱ اور مجھے چھوڑ دیں پس چونکہ رسول کریم ﷺ کا خدا تعالیٰ سے تعلق تھا اس لئے شمشیرِ برہنہ بھی آپؐ کے قلبی آرام اور اطمینان پر کوئی اثر نہ ڈال سکی۔

اسی طرح حضرت صاحب کا واقعہ ہے جن دنوں گورداسپور میں آپ پر کرم دین والا مقدمہ تھا۔ جس عدالت میں مقدمہ دائر تھا اس کا مجسٹریٹ آریہ تھا۔ اس کی خود بھی خواہش تھی کہ حضرت صاحب کو سزا دے اور آریوں نے اس پر بہت زور ڈالا کہ کچھ نہ کچھ ضرور سزا ہونی چاہئے اور انہوں نے اس پر یہاں تک زور ڈالا کہ یہ قومی سوال ہے اب یہ بچ کر نہ جائے اور اس مجسٹریٹ نے بھی اقرار کر لیا تھا کہ میں تھوڑی سی سزا ضرور دے دوں گا تاکہ اپیل بھی

نہ ہو سکے۔ مگر بعض شرفاء بھی ہوتے ہیں۔ ایک ہندو نے ہی ہمارے ایک شخص کو اطلاع دے دی کہ میں محض خیر خواہی کی راہ سے کہتا ہوں۔ جب اس احمدی کو معلوم ہوا تو وہ نہایت گھبرایا ہوا حضرت صاحب کو اطلاع دینے کے لئے آیا اور وہ خود بھی خیال کرتا تھا کہ حضرت صاحب پر اس کا بہت اثر ہوگا۔ مگر جب آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ لیٹے ہوئے تھے' بیٹھ گئے اور آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور کہا کہ کیا وہ خدا کے شیر پر ہاتھ ڈالنا چاہتا ہے۔ ڈال کر دیکھ لے کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ [۱۲]

پس دراصل عید ان ہی کی عید ہوتی ہے اور یہ وہ عید نہیں جو سال میں ایک یا دو دفعہ آتی ہے بلکہ ہر گھڑی عید ہوتی ہے اور ہر ساعت کی ہوتی ہے۔

آج کل مسلمانوں کی کیا حالت ہے اور مسلمانوں کو کتنا صدمہ ہے۔ اگر اس کا کوئی اندازہ کرے تو جان نکل جائے اور عقلمند مجنون ہو جائے۔ جس وقت اس کا علاج ہو سکتا تھا اس وقت حضرت صاحب نے پکار پکار کر کہا کہ یہ وقت نہایت نازک ہے اس وقت ہوش میں آؤ۔

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید
دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدیں [۱۳]

چاروں طرف کفر و ضلالت پھیلا ہوا ہے اور اسلام کی حالت دم بہ دم نازک ہو رہی ہے مگر اس وقت لوگوں نے اس آواز پر کان نہ دھرا بلکہ اس آواز پر ہنسی اڑائی اور کہا کہ اسلام تو ترقی کر رہا ہے۔ اب واقعات نے بتلا دیا ہے کہ اس درد مند نے جو کچھ کہا وہی سچ تھا۔

اس وقت جاہلوں میں مشہور تھا کہ تُرکوں کا بادشاہ جب باہر نکلتا ہے تو تمام دنیا کے سفیر جو قسطنطنیہ میں ہوتے ہیں بطور باڈی گارڈ کے اس کے ساتھ ہوتے ہیں اور اگر وہ تلوار اٹھائے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی لیکن ان نادانوں کو کیا خبر تھی کہ وہ تو چاروں طرف سے شکنجہ میں کسا ہوا ہے اور ساعت بہ ساعت وہ شکنجہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ اُس وقت کسی نے خطرہ کی پرواہ نہ کی جس سے ڈرایا جا رہا تھا اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں اسلام کی محبت ہے وہ عجیب عجیب حرکتیں کرتے ہیں حالانکہ ان کو صرف نام کا تعلق ہے۔ واقع میں اسلام کا اس وقت کا صدمہ بہت ہی بڑا ہے۔ ہم بھی اس سے پاگل ہو جاتے مگر چونکہ ہمیں اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان ہے اور ہم جانتے ہیں کہ ایک ہستی ہے جو اسلام کی محافظ و نگران ہے۔ ورنہ اگر ہمارا خدا تعالیٰ کے قادر ہونے پر ایمان نہ ہوتا اور اس کے سچے

وعدوں پر یقین کامل نہ رکھتے تو ہم بھی اس وقت یقیناً پاگلوں کی سی حرکتیں کرتے۔ ہمیں بہت صدمہ ہے اور اتنا صدمہ ہے کہ اس کے اثر سے ہم بھی پاگل ہو جاتے مگر ہمیں چونکہ خدا کی نصرت پر بھروسہ ہے کہ ایسی حالتوں میں اس کی خاص نصرت آیا کرتی ہے اور جب ہر طرف سے مایوسی ہو جاتی ہے تب وہ اپنی قدرت کے ہاتھ دکھاتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ خدا کی نصرت آئے گی اور اسلام کی مخالفتوں کو مسل ڈالے گی اس لئے باوجود اس قدر سخت صدمہ کے ہم راحت میں ہیں اور آنے والی گھڑی کے سچے وعدوں سے مطمئن ہیں اور یہی مومن کی علامت ہے کیونکہ مومن کو کوئی غم اور حُزن پریشان نہیں کر سکتا۔

میں نے جو کہا ہے کہ مومن کو غم نہیں ہوتا اس کے یہ معنی نہیں کہ مومن کو غم کا احساس بھی نہیں ہوتا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن غم میں بھی ایک عید ہی دیکھا کرتا ہے۔ اسلام کی موجودہ حالت کا ہمیں صدمہ ہے اور ہمارے صدمہ کے مقابلہ میں دوسروں کو ہزارواں حصہ بھی صدمہ نہیں مگر ہمارے اور ان کے صدمہ میں ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ ہمیں خدا پر یقین ہے کہ خدا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہم خدا کی حفاظت کے حصار میں ہیں۔ ہماری اور ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ بید کی ایک پتلی چھڑی کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا جائے۔ اس پر اگر زیادہ بوجھ بھی ڈالا جائے گا تو بھی وہ نہیں ٹوٹے گی۔ لیکن اگر موٹا تنا ہو اور بغیر سہارے کھڑا ہو تو اس پر جب بید کی چھڑی سے تھوڑا بوجھ پڑے گا تو وہ ضرور ٹوٹ جائے گا۔ پس وہ بظاہر ہم سے مضبوط ہیں مگر اس تنے کی مانند جس کا کوئی سہارا نہیں اور ہم کمزور ہیں مگر ہماری حفاظت خدا کی نصرتوں اور تائیدوں کی دیواریں کر رہی ہیں۔

میں احساس اور بے حسی کو مثال کے ذریعہ سمجھاتا ہوں۔ جنہوں نے حضرت صاحب کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت صاحب کو مبارک احمد [۴۵] سے کس قدر محبت تھی۔ اس محبت کی کئی وجہیں تھیں۔ اول یہ کہ وہ کمزور تھا اور کچھ نہ کچھ بیمار رہتا تھا اس لئے اس کی طرف خاص توجہ رکھتے تھے اور یہ لازمی بات ہے کہ جس کی طرف خاص توجہ ہو اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ دوسرے وہ اگرچہ ہم سب سے چھوٹا تھا اور اس کی عمر بھی بہت تھوڑی تھی مگر بہت ذہین اور ذکی تھا۔ اس کی عمر سات سال کی تھی مگر وہ اسی عمر میں شعر کہہ لیتا تھا اور عام طور پر اس کے شعر کا وزن درست ہوتا تھا۔ اس کی ذہانت اور حافظہ کی مثال یہ ہے کہ جب حضرت صاحب نے وہ بڑی نظم جس کی ردیف "یہی ہے" لکھی۔ [۴۶] تو ہم سب کو فرمایا کہ تم قافیہ تلاش کرو۔

اس نے ہم سب سے زیادہ قافیہ بتلائے۔ جن میں بہت سے عمدہ قافیہ تھے۔ جب وہ مرض الموت میں گرفتار ہوا تو حضرت صاحب باوجود تالیف و تصنیف میں بھی مصروف رہنے کے شب و روز اس کے معالجہ میں لگے رہتے حتّٰی کہ میں رات کے گیارہ گیارہ بجے سوتا تو آپ جاگ رہے ہوتے اور جب کبھی آنکھ کھلتی تو آپ جاگے ہوتے۔ حیرت ہوتی تھی کہ آپ سوتے کس وقت ہیں۔ جس دن وہ فوت ہوا اس دن خیال تھا کہ حضرت صاحب کو اس کا غیر معمولی صدمہ ہوگا۔ حضرت خلیفہ اول بڑے جری اور دلیر تھے آپ کو گھبراہٹ نہیں ہوا کرتی تھی مگر چونکہ انہوں نے اس محبت کو دیکھا تھا جو حضرت صاحب مبارک احمد سے رکھتے تھے اس لئے وہ سمجھے کہ حضرت صاحب کو خدا جانے اس حادثہ سے کتنا صدمہ پہنچے آپ اس کی نبض دیکھنے لگے اور حضرت صاحب سے کہا کہ حضرت مُشک لائیے۔ حضرت صاحب مشک لینے گئے اور حضرت مولوی صاحب نے گھبرا کر کہا حضرت جلدی لائیے اور چونکہ آخری وقت تھا اور نبض بند ہو رہی تھی اس لئے حضرت مولوی صاحب جلدی جلدی مختلف مقامات سے دیکھ رہے تھے اور حالت یہ تھی کہ قریب تھا کہ آپ گر جاتے۔ مگر جب حضرت صاحب کو معلوم ہوا کہ نبض بند ہو گئی ہے تو آپ باہر آکر دوستوں کو نصیحت فرمانے میں مصروف ہو گئے اور بیرون جات خط لکھنے شروع کر دیئے کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ایسے صدمے ہوا ہی کرتے ہیں اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے لئے تو یہ خوشی کا موقع ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا ایک الہام اس کی جلدی وفات کے متعلق موجود ہے جو آج پورا ہو گیا۔[۱۶] اس طرح تو آپ کا رنج خوشی سے بدل گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کو غم کا احساس تو تھا لیکن چونکہ خدا تعالیٰ سے تعلق تھا اس لئے وہ غم خوشی ہو گیا۔

اس کے مقابلہ میں ایک عورت یہیں قریب ہی کی رہنے والی تھی۔ میں ان دنوں حضرت خلیفہ اول سے پڑھتا تھا۔ ایک دن انہوں نے مجھے یہ بتانے کے لئے کہ بے حسی کا مرض بھی ہوتا ہے۔ اس عورت سے کہا کہ تیرے بڑے بیٹے کا کیا حال ہے وہ یہ سنکر ہنسنے لگی اور اتنی ہنسی کہ بے خود ہو گئی اور ہنستے ہنستے کہا وہ تو مر گیا ہے۔ حضرت مولوی صاحب نے اسی طرح اس کے کئی رشتہ داروں کا حال پوچھا اور اس نے اسی طرح ہنس ہنس کر بتایا کہ وہ مر گئے۔ اب دیکھئے کہ حضرت صاحب کا بیٹا فوت ہوا تو آپ نے صبر کے ساتھ اس کو دیکھا اور لوگوں کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور اس عورت کے بھی رشتہ دار فوت ہوئے اور اس نے

ہنس ہنس کر ان کے مرنے کا ذکر کیا۔ پھر حضرت صاحب اور اس عورت میں کیا فرق تھا۔ حضرت صاحب کے ہاں بھی موت ہوئی اور اس عورت کے بھی بلکہ اس کے ہاں تو تین چار موتیں ہو گئیں مگر وہ ہنستی ہی رہی۔ بظاہر تو شاید کوئی کہے کہ وہ عورت زیادہ صابر تھی۔ لیکن در حقیقت یہ بات نہیں کیونکہ حضرت صاحب کا جو صبر تھا وہ حس کے باوجود تھا اور اس عورت کا صبر یا اس کا جو بھی نام رکھیں بغیر حس کے تھا۔ اس کو بیماری تھی کہ وہ ہر ایک صدمہ میں اسی حالت کا اظہار کرتی۔ مگر حضرت صاحب حس رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ تمام رات بیمار کی تیمارداری میں صرف کر دیتے تھے۔ اور شب بھر خدمت کرتے تھے۔ مگر اس احساس کے باوجود جب وہ فوت ہوا تو آپ بے صبری ظاہر نہیں کرتے بلکہ صبرِ کامل دکھاتے ہیں اور اس عورت کو اس کا احساس ہی نہ تھا۔

پس عید کا یہ مطلب نہیں کہ انسان بے حس ہو جائے اور خواہ اسے کتنی تکلیف ہو اس کا اسے احساس ہی نہ ہو بلکہ حس ہو اور پھر خوشی ہو تو یہ عید ہوگی۔ اسلام کے اگر کانٹا لگے تو اس کے دل میں نشتر لگے مگر ساتھ ہی یہ ہو کہ وہ یقین رکھے کہ یہ خدا کا دین ہے وہ اس کی نصرت کے سامان خود کرے گا اور ہمارا تعلق ایک مقتدر اور طاقتور ہستی سے ہے جب یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں کہ حس بھی ہو اور خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر کامل بھروسہ بھی تو اس وقت عید ہوتی ہے۔ اور جو شخص بے حس ہو اس کو سمجھو کہ وہ مرگیا کیونکہ حِسّ مُردے ہی میں نہیں ہوتی۔ لیکن اگر آفتوں میں اضطراب ہے اور تم اپنے دلوں میں گھبراہٹ پاتے ہو اور تم مصیبت کو اپنے لئے ایسی خیال کرتے ہو کہ اب ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا اور اب ہماری مدد نہیں ہو سکتی تو بھی سمجھ لو کہ تمہارا ایمان باطل ہو گیا۔ ایمانِ کامل یہ ہے کہ ایک طرف تم دیکھ رہے ہو کہ یہ ابتلاء اور یہ مصائب تمہاری کمر توڑنے والے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی تمہیں خدا کی قدرت پر ایمان کامل ہو کہ وہ ضرور کامیابی دے گا۔ درحقیقت عید یہی ہے کہ تمہیں زبردست احساس ہو اور تم ذرا سی بات کو بھی محسوس کرو مگر ساتھ ہی خدا کی قدرت پر ایمان رکھو اور کسی آفت سے نہ گھبراؤ۔

اللہ تعالیٰ ہمارے سب دوستوں کو وہ مقام عنایت فرمائے جس میں ایک طرف وہ درد ہو جو خدا کے لئے ہوتا ہے اور جس کے بغیر کوئی مومن مومن نہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو اور ہمیں درمیانی مقام عنایت فرمائے اور اسلام کی کامیابی دکھائے۔ ہماری یہ

عید بے مغز عید نہ ہو بلکہ ایسی عید ہو جو عملی جامہ پہنے اور ہماری عید ہمارے جسموں ہی کی عید نہ ہو بلکہ روحوں کی بھی ہو۔

جب حضور دوسرے خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا۔

رمضان کا مہینہ چٹّی اور بیگار کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ یہ مہینہ ورزش کے لئے آتا ہے۔ کوئی ہوشیار طالب علم مدرسہ کو چٹّی نہیں سمجھتا۔ تم اس کو روحانیت کا مدرسہ سمجھو۔ مدرسہ میں تمہیں بیگار اور چٹّی کے طور پر داخل نہیں کیا جاتا بلکہ تمہیں عادی بنایا جاتا ہے کہ مدرسہ میں پڑھ کر تم آئندہ خود بخود پڑھنے لکھنے کے اہل ہو جاؤ۔ اسی طرح رمضان تمہیں سبق دینے آتا ہے کہ تم باقی سال میں اسی طرح کرو جس طرح رمضان نے سکھایا ہے۔ جب مدرسہ یا کالج سے چھٹّی ہوتی ہے تو سمجھدار طالب علم یہ نہیں سمجھتے کہ ہم ایک بیگار سے آزاد ہوئے ہیں بلکہ وہ ان ہدایتوں پر کاربند رہتے ہیں جو انہیں کالج میں دی جاتی ہیں۔ اسی طرح رمضان کے بعد جو تمہیں چھٹی دی گئی ہے اس میں رمضان کے دیئے ہوئے سبقوں پر عمل کرو۔

(الفضل ۲۸۔جون ۱۹۲۰ء)

۱۔ انسائیکلوپیڈیا ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۵ صفحہ ۸۶۷ تا ۸۷۱

۲۔ استثنا باب ۱۶۔ آیت ۱ تا ۱۶

۳۔ یوحنا باب ۱۰۔ آیت ۲۲

۴۔ انسائیکلوپیڈیا ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۵ صفحہ ۸۷۲

۵۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا زیر لفظ افریقہ Story of Nations Vol.I p.673-738

۶۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا Vol.9P.232 زیر لفظ فجی

۷۔ مفردات امام راغب زیر لفظ "عود"

۸۔ اصابہ جلد ۳ صفحہ ۲۶۹

۹۔ الفاتحة:۲

۱۰۔ التوبة:۴۰ و بزم صوفیہ: تذکرہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء صفحہ ۲۰۸ مصنفہ سید صباح الدین عبد الرحمٰن ایم اے مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء

۱۱۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ ذات الرقاع

۱۲۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۹۳ تا ۹۸۔ تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۲۹۵ تا ۲۹۶

۱۳ فتح اسلام۔ شائع کردہ ابوالفضل محمود قادیان صفحہ ۶۱

۱۴ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ۱۴۔ جون ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۶۔ ستمبر ۱۹۰۷ء کو فوت ہوئے۔ (بدر ۱۹۔ ستمبر ۱۹۰۷ء و تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۵۰۱ تا ۵۰۳

۱۵ "قادیان کے آریہ اور ہم" مطبوعہ ۱۹۰۷ء صفحہ ۸

۱۶ تذکرہ صفحہ ۳۴۱ مطبوعہ الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ ۱۹۵۶ء و تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۵۰۱ تا ۵۰۲